محمد منظور نعمانی

اپنے شفیق ترین استاذ کی یاد میں

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(رجب ۱۳۷۴ھ م مارچ ۱۹۵۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا)

انا للہ وانا الیہ راجعون ——— وانا بکم یومئذٍ للاحقون

یہ ناچیز ۲۰ر فروری سے کل ۱۱ر مارچ تک احباب کے ایک تبلیغی قافلہ کے ساتھ سفر میں رہا اور ۲۰ دن کے بعد آج ۱۲ر مارچ کو لکھنؤ واپس پہونچا ہے۔ آج سے تین دن پہلے ۹ر مارچ کو ہمارا قافلہ کٹھیار (ضلع پورنیہ بہار) میں تھا۔ وہاں کے مدرسہ "دارالعلوم لطیفیہ" میں ہمارا قیام تھا، قریباً ۹ بجے دن کا وقت ہوگا کہ مدرسہ مذکور کے مدرس مولانا عبدالرزاق صاحب ایک تار ہاتھ میں لیے نہایت غمزدہ صورت میں دوڑے ہوئے آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا کہ "دیوبند سے آیا ہوا یہ تار ہے بہت بڑا حادثہ ہوگیا" میں نے پوچھا کیا خبر ہے؟ انھوں نے جواب دیا اطلاع یہ ہے کہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کا انتقال ہوگیا"۔

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی گھڑی کسی کی بھی موت کوئی موجب حیرت واقعہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ حضرت مولانا کی علالت کی کوئی اطلاع اس سے پہلے نہیں تھی، اس لیے تھوڑی دیر تو بس تحیّر ہی کی کیفیت رہی لیکن بالآخر یقین کرنا پڑا، اُٹھ کر وضو کیا، کچھ نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے اپنے نہایت شفیق استاذ کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی۔ ———

کٹھیار سے روانہ ہونے کے بعد کل گورکھپور میں اخبارات میں بھی یہ خبر پڑھ لی۔ اپنے ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ وہ بھی حضرت مرحوم کے لیے مغفرت و رحمت اور ترقی درجات کی دعا

فرمائیں، راقم الحروف پر بھی ان کا یہ احسان ہو گا۔

سب جانتے ہیں کہ اس دنیا کی حقیقت ایک سرائے سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ مسافروں کی آمد و رفت کا تانتا بندھا ہوا ہے، روزانہ ہزاروں بلکہ لاکھوں آتے ہیں اور جاتے ہیں، اس لیے کسی کا یہاں سے کوچ کر جانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، لیکن اس کے باوجود اللہ کے بعض بندے کچھ ایسی افادی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں کہ ان کا اس دنیا سے جانا کسی قوم یا جماعت کے لیے واقعۃً بہت بڑا حادثہ ہوتا ہے، اس لیے اُن سے تعلق رکھنے والوں کو اُن کی موت سے غیر معمولی رنج اور صدمہ ہوتا ہے ——— حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ بھی اللہ کے ان ہی بندوں میں سے تھے۔

اس وقت کسی مفصل تذکرہ کی تو گنجائش نہیں صرف چار صفحے کی محدود وسعت کو پیش نظر رکھ کر حضرت ممدوح کی زندگی کے بعض پہلوؤں کے متعلق چند سطریں الفرقان کے ناظرین کرام کے لیے لکھنا چاہتا ہوں، اس سے انشاء اللہ کچھ اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔

حضرت مولانا سے میری ابتدائی واقفیت

حضرت مولانا نے اپنے ابتدائی دور میں فقہ اور ادب کی بعض درسی کتابوں پر جو حواشی لکھے تھے اور درس کے انداز میں جو غیر معمولی خصوصیت پیدا کر لی تھی اُس کی وجہ سے علمی اور درسی حلقوں میں اپنے ابتدائی زمانہ ہی میں حضرت مولانا کو خاص شہرت اور عظمت حاصل ہو گئی تھی، اب سے ۴۴-۴۵ سال پہلے جبکہ راقم الحروف عربی کی ابتدائی متوسط کتابیں پڑھتا تھا، خوب یاد ہے کہ اُس وقت کے میرے بعض اساتذہ حضرت مولانا کی علمی اور درسی خصوصیات کے بہت تذکرے کیا کرتے تھے۔ میں نے پہلے پہل حضرت مولانا کا نام اپنے ان استادوں ہی سے سنا تھا۔

دارالعلوم میں میری حاضری اور حضرت مولانا کا تدریسی امتیاز

شوال ۱۳۴۳ھ میں یہ ناچیز دارالعلوم دیوبند گیا اور دو سال وہاں رہا، پہلے سال میں "ہدایہ اخیرین" "سبعہ معلقہ" اور دوسرے سال میں "تفسیر بیضاوی" سورہ بقرہ (جو اُس وقت دورۂ حدیث کے ساتھ پڑھائی جاتی تھی) اور "شمائل ترمذی" مولانا ہی سے سبقاً سبقاً پڑھیں، اُس وقت کا اپنا خیال اور اندازہ یہ تھا اور آج تک بھی اس میں کوئی

فرق نہیں آیا ہے کہ مولانا مرحوم اِن کتابوں کو اِس طرح پڑھاتے تھے کہ اگر اُن کے مؤلفین و مصنفین علامہ مرغینانی اور امام ترمذی اور قاضی بیضاوی اور امراء القیس وغیرہ اصحاب معلقات، مولانا کا درس سنتے تو انھیں یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوتی کہ اُن کی کتابوں کا کیسا حق ادا کیا جا رہا ہے۔ خاص کر "ہدایہ اخیرین" کا درس تو اتنا ممتاز ہوتا تھا کہ علمی اور درسی ذوق رکھنے والے اہل علم جنھوں نے بار بار ہدایہ اخیرین پڑھائی ہوتی، مولانا کا درس سن کر ان کا بھی جی چاہنے لگتا کہ ایک دفعہ ہدایہ اخیرین مولانا سے پھر پڑھیں، اور بعض حضرات نے ایسا کیا بھی۔

بے پناہ محنت اور بے انتہا مصروفیت

حضرت مولانا کا خاص وصف جس میں اب تک ان کا کوئی ثانی نہیں دیکھا گیا وہ ان کی بے پناہ محنت اور بے انتہا مصروفیت تھی، میرا خیال ہے کہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں دوپہر اور رات کے سونے کے چند گھنٹوں کو نکال کر (جو میرے اندازہ میں ۳-۴ گھنٹوں سے زیادہ نہ ہوتے ہوں گے) اگر کوئی شخص اِس کی کوشش کرتا کہ اُن کو کسی وقت فارغ اور غیر مشغول دیکھ سکے تو مہینوں نہ دیکھ پاتا۔ اُن کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ آدمی اپنے وقت کی قدر کرے تو کتنا کام کر سکتا ہے۔ بلا مبالغہ وہ روزانہ اتنا کام کرتے تھے کہ اوسط درجے کے کام کرنے والے ۴-۵ آدمی مل کر بھی اتنا کام عام طور سے نہیں کرتے۔

شیخ الادب والفقہ اور صدر مفتی و ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند

درسی علوم میں فقہ اور عربی ادب میں حضرت مولانا کو چونکہ خاص الخاص مہارت تھی اس لیے دار العلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والی علمی برادری میں عام طور سے ان کو "شیخ الادب والفقہ" کہا اور لکھا جاتا تھا — ایک عرصہ تک وہ دار العلوم کے صدر مفتی بھی رہے لیکن بعد میں تدریس اور نظامت تعلیم کی ضروریات نے دار العلوم کے اہل حل وعقد کو مجبور کیا کہ دار العلوم کی صدارت افتا کے لیے کسی اور کا انتخاب کیا جائے اور تدریس اور نظامتِ تعلیم کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

تحریر و تصنیف

ہمارے قدیم طرز کے علماء میں علمی رسوخ کے باوجود تحریر پر قدرت اور تصنیف کا اچھا ذوق رکھنے والوں کی کمی رہی ہے لیکن مولانا مرحوم صاحب علم و

درس ہونے کے ساتھ صاحبِ قلم بھی تھے اور سلیس و شگفتہ اردو لکھنے والوں میں تھے۔ دار العلوم دیوبند کا قدیم ماہنامہ "القاسم" جس دور میں دار العلوم کی علمی شان کے مطابق ایک معیاری دینی و علمی ماہنامہ تھا اس زمانہ میں کافی عرصہ تک اس کی ادارتی ذمہ داریاں عملاً مولانا ہی سے متعلق تھیں ——— القاسم کی پرانی جلدوں میں آپ کے بعض مضامین اب بھی ایسے محفوظ ہیں جو آپ کے طرز نگارش کا اچھا نمونہ ہیں۔

انتہائی شفقت کے ساتھ انتہائی رعب

طلبہ کے حق میں حضرت مولانا اس قدر شفیق تھے کہ اس کی مثال نہ دیکھی نہ سنی۔ خاص کر جو طالب علم پڑھنے میں محنتی اور نیک سیرت ہوتے، مولانا ان سے بالکل اپنی اولاد کی طرح محبت فرماتے، اُن کو اوقاتِ مدرسہ کے علاوہ بعض اوقات کئی کئی سبق پڑھاتے۔ دن میں کوئی وقت خالی نہ ہوتا تو رات کے اوقات میں پڑھاتے۔ حد یہ ہے کہ اگر وہ حافظِ قرآن ہوتے تو قرآن مجید سننے کے لیے بھی وقت نکال لیتے، اگر کوئی وقت نہ نکل سکتا تو تہجد میں ان کو امام بنا کر ان کا قرآن سنتے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنھوں نے دیکھا نہیں ان کو طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا کی محبت و شفقت کا اس زمانہ میں کسی طرح اندازہ نہیں کرایا جا سکتا، لیکن آپ کی یہ محبت اور شفقت، ماں والی محبت و شفقت نہ ہوتی جو بسا اوقات بچہ کو بے تکلف اور بے باک بھی بنا دیتی ہے، بلکہ ایک باوقار اور پُر رعب باپ کی سی محبت و شفقت ہوتی جو طالب علم کو مولانا کا گرفتار اور گرویدہ تو بنا دیتی لیکن اس میں بے تکلفی کبھی نہ آ سکتی ——— آپ کی سیرت کا یہ پہلو حضرت فاروق اعظمؓ سے بہت مشابہ تھا۔ اسی لیے طلبہ جس قدر اُن کے سامنے باادب اور محتاط رہتے اور جتنا اُن سے ڈرتے اس ناچیز نے خود اپنی طالب علمی کے زمانے میں دیکھا کہ اُن کے بھی اکابر مثلاً استاذنا حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ مولانا کا یہ فاروقی طرزِ عمل طلبہ کے لیے جس قدر مفید اور ان کی سیرت کا جیسا محافظ تھا اس کا اندازہ صرف انھیں کو ہوگا جو اس دور میں کچھ عرصہ دار العلوم میں طالب علم بن کر رہے ہیں۔

بے مثال تواضع

اس وقار اور اس فاروقی رعب و جلال کے ساتھ تواضع اور کسرِ نفسی اس قدر تھی کہ جن کو خود واسطہ نہیں پڑا ان کو اب کسی طرح سے کوئی اس کا اندازہ

نہیں کرا سکتا۔ ہر شخص کو پہلے سلام کرنے کے وہ اتنے حریص اور اس معاملہ میں اس قدر مشتاق اور اور چابک دست تھے کہ اُن کے قریباً سبھی نیازمندوں نے جن کی تعداد ہزاروں ہوگی مدتوں اس کی کوشش کی ہوگی کہ پہلے سلام کرنے کی سعادت کبھی انھیں حاصل ہو، لیکن راقم سطور کے ساتھ وہ سب شہادت دے سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں وہ ہمیشہ ناکام اور شکست خوردہ رہے۔ حضرت مولانا کا عام قاعدہ تھا کہ نگاہ نیچی کیے تیز چلتے اور جیسے ہی کوئی شخص سلام کی زد پہ آجاتا (یعنی اتنے قریب ہوجاتا کہ وہ سلام سن سکتا) تو اچانک اس کی طرف نگاہ اُٹھاتے اور نگاہ کے ساتھ ہی زبان اپنا کام کرتی اور اس بیچارے کو وعلیکم السلام ہی عرض کرنے کا موقع ملتا۔ دار العلوم میں پڑھنے والے طالب علموں کے سوا جو شخص ملنے آتا عموماً اُس کے لیے کھڑے ہوجاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے جو شاگرد طالب علمی کے زمانہ میں آپ کے خاص خادم اور نیازمند رہے ہوتے وہ بھی جب بعد میں کبھی حاضر ہوتے تو حضرت مولانا ہمیشہ کھڑے ہوجاتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ پہلے انھیں بیٹھنے پر مجبور کرتے اور بعد میں خود بیٹھتے۔ واقعہ یہ ہے کہ تواضع اور دوسروں کے اکرام کی یہ صفت اس درجہ تھی کہ جو شخص آپ کو نہ جانتا اُسے بسا اوقات تصنع اور بناوٹ کا شبہ ہوسکتا تھا۔

افسوس صد افسوس کہ ان اوصاف و کمالات کی حامل و جامع ہستی ہم سے جدا ہوگئی!

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله وانزل على روحه وجسده وتربته شآبيب رحمتك ورضوانك واجعله من عبادك المقربين۔ آمین یا ارحم الراحمین!